بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنگ آزادی

جمع وترتیب

محمد عبید اللہ خان قاسمی

بزم خطباء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّا بَعْدُ:

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ۔ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف خاندان اور کنبے بنا دیئے ہیں؛ تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو، یقیناً اللہ بہت جاننے والے اور بہت باخبر ہیں۔

تمہید

پندرہ اگست کو پورے ہندوستان میں یوم آزادی منائی جاتی ہے، ترنگا لہرایا جاتا ہے، خوشیاں منائی جاتی ہیں، مٹھائیاں اور چاکلیٹ تقسیم کیے جاتے ہیں، یہ دن اور اس کی خوشیاں جو اس ملک کو نصیب ہوئیں وہ اس وجہ سے کہ ہمارے اکابر اور اسلاف نے اس ملک کو آزاد کرانے کے لیے جانوں کی بازی لگائی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آزادی کا مختصر تذکرہ کیا جائے، اور اس بات کا بھی تذکرہ کیا جائے کہ کیا ہمارا ملک واقعی ایک جمہوری اور آزاد ملک ہے؟ کیا ہم ہمارے ملک میں آزادی سے سانسیں لے رہے

ہیں؟ کیا سچ مچ ہمارے ملک کو اس وقت آزاد جمہوری ملک جس میں سب کے حقوق یکساں اور برابر حاصل ہوتے ہیں، کہے جانے کا حق ہے؟ کیا ہند کا ہندو، مسلم، سکھ عیسائی، آپس میں سب بھائی بھائی کے مصداق ساروں کو جینے، زندہ رہنے، ہر ایک کو اپنے مذہب اور عمل پر قائم و دائم رکھنے کا پورا پورا حق دیا جا رہا ہے؟

آزادی کی اہمیت

انسان اصلاً فطری طور پر آزاد ہے، اس کو آزادی کا فطری حق حاصل ہے، وہ اللہ کے سوا کسی کا بھی غلام نہیں ہے، اسلام چونکہ فطری دین ہے اس لیے وہ انسان کو اس کا فطری حق عطا کرتے ہوئے اس کو آزاد رہنے کی ترغیب دیتا ہے، سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، ہر انسان آزاد ہی پیدا ہوتا ہے، انسان کی فطرت میں آزادی ہے، جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھا کچھ ایسے لوگ آئے جنھوں نے انسانوں کو خریدنا اور بیچنا شروع کیا، غلامی کے بازار لگائے، زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سلسلہ چل رہا تھا، جب اسلام آیا تو آہستہ آہستہ اس سلسلے کو ختم کیا، انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ، نبی کریم ﷺ اُن سے ان کا بوجھ اور طوق، جو اُن کے اوپر ہیں، اُتار دیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اس کے فضائل بیان فرمائے، انسان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس پر کفارہ لازم ہوتا ہے، تو بہت سے کفاروں میں غلام باندی کے آزاد کرنے کو قرآن مجید نے بیان کیا، تاکہ یہ سلسلۂ غلامی ختم ہو، اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب کہیں اس پرانے انداز میں غلام باندی نہیں بنائے جاتے، لیکن غلامی کی دوسری بہت سی صورتیں اب بھی باقی ہیں۔

آزادی کے حوالے سے یہ بنیادی بات کبھی نظر انداز نہیں ہونی چاہئے کہ جب تک آزادی حاصل نہ ہو انسان کا حق رہتی ہے، حاصل ہو جائے تو یہ آزادی سب سے بڑی ذمہ داری بن جاتی ہے، آزادی انسان کی امتیازی صفت بھی ہے اور اس کی سب سے بڑی آزمائش بھی، آزادی محض ایک لفظ نہیں ہے زندگی کا ایک رویہ ہے غلامی میں طاقتور انسان کمزور پر پابندیاں لگاتا ہے۔

انسانی زندگی کے لئے جو اہمیت آکسیجن کی ہے وہی اہمیت معاشرتی زندگی کے لئے آزادی کی ہے، آکسیجن نہ ہو تو آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے آزادی نہ ہو تو پورے معاشرے کا دم گھٹنے لگتا ہے۔

اللہ رب العزت نے آزاد اور غلام کی مثال بیان فرمائی: ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَن رَّزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ (النحل:۷۵)

ترجمہ: اللہ مثال دیتے ہیں کہ ایک غلام ہے، جو دوسرے کی ملکیت میں ہے، وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک ایسا شخص ہے جس کو ہم نے عمدہ روزی دی ہے، وہ اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کرتا ہے، کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں؛ لیکن

زیادہ تر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یعنی غلام کی مثال مخلوق کی سی ہے، جس کے طاقت اور اختیار میں کچھ نہیں ہے، اور آزاد شخص کی مثال ایک درجہ میں خالق کی سی ہے، جو مال و دولت کا مالک ہے اور اس میں سے خرچ کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے، تو جب ایک آزاد اور غلام برابر نہیں ہو سکتے تو خالق اور مخلوق کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کسی انسان کے لئے یہ بات کیوں کر درست ہو سکتی ہے کہ وہ عبادت میں خالق کے ساتھ مخلوق کو شامل کرے؟ توحید کو سمجھانے کے لیے یہ مثال دی گئی ہے لیکن اس سے آزادی کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آزاد رہے اور اس کی آزادی کو کوئی چیلنج کرنے والا نہ ہو، اسی قدرتی جذبہ کا احترام کرتے ہوئے اسلام نے انسان کو مکمل طور پر آزادی دی ہے، آزادی کی اہمیت کا صحیح تجربہ وہی کر سکتا ہے جو آزاد فضا میں زندگی گزارنے کے بعد غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا ہو، اسی لیے اسلام نے آزادی پر بہت زور دیا، انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔

اللہ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ اس کی مخلوق کسی اور کی غلامی میں رہ کر زندگی گزارے، غلامی اصل میں اللہ رب العزت کی ہونی چاہیے، اللہ کی غلامی میں آجانے کے بعد ایک انسان ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے، اسی لئے صحابہ کرام جب کسی ملک میں جاتے تو لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہوئے کہتے تھے: ابتعثنا الله لنخرج الناس من عبادة العباد إلى عبادة الله.(البدايه والنهايه) ہمیں اللہ نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ ہم لوگوں کو انسان کی پوجا سے نجات دلا کر اللہ کی عبادت کی طرف لائیں۔

حضرت عمرؓ کی جانب یہ قول منسوب ہے: متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا جب کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا تھا۔

اسی طرح آزادی کی اہمیت میں عربی کا یہ مقولہ بھی نقل کیا جاتا ہے: لا تكن عبد غيرك وقد جعلك الله حراً، اللہ نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے اس لئے کسی اور کی غلامی قبول مت کر۔

آزادی میں مسلمانوں کا کردار

ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، جان و مال کی قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں تختۂ دار پر چڑھے، پھانسی کے پھندے کو جرات و حوصلہ اور کمال بہادری کے ساتھ بخوشی گلے لگایا، قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور حصولِ آزادی کی خاطر میدان جنگ میں نکل پڑے، آخر غیر ملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔

غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلیں، تدبیریں کیں، رشوتیں دیں، لالچ دیے، پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا اصول بڑے پیمانے پر اختیار کیا، فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کیے، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، آپس میں غلط فہمیاں پھیلائیں، تاریخ کو مسخ کیا، انگریزوں نے ہندوستان کے معصوم باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ناحق لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، ہندوستانیوں پر ناحق گولیاں چلائیں، چلتی ریلوں پر سے اٹھا کر باہر پھینکا؛ مگر ان کے ظلم وستم کو روکنے اور طوقِ غلامی کو گردن سے نکالنے کے لیے بہادر مجاہدین آزادی نے ان کا مقابلہ کیا اور ملک کو آزاد کر کے ہی اطمینان کا سانس لیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز ونمایاں رہا ہے، انھوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے اقتدار مسلم حکمرانوں سے چھینا تھا، اقتدار سے محرومی کا دکھ اور درد مسلمانوں کو ہوا، انھیں حاکم سے محکوم بننا پڑا، اس کی تکلیف اور دکھ انھیں جھیلنا پڑا، اسی لیے محکومیت وغلامی سے آزادی کی اصل لڑائی بھی انھیں کو لڑنی پڑی۔

انگریز کی ہندوستان آمد

واسکوڈی گاما کی قیادت میں پُرتگال کے ملاحوں نے سب سے پہلے سرزمین ہند کو اپنے ناپاک قدموں سے آلودہ کیا اور صوبہ بنگال کے شہر کلکتہ اور جنوبی ہند کے شہر کالی کٹ کو اپنی تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، یہ لوگ تجارت کے مقصد سے آئے تھے مگر مذہب کی اشاعت میں بھی سرگرم ہو گئے، اس وقت ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا، اس ملک میں تجارت کے بے شمار مواقع تھے، مالی ترقی کے وسیع تر امکانات نے انگلستان کے تاجروں کو بھی ادھر متوجہ کیا، انہوں نے تیس ہزار پاؤنڈ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی اور ۱۶۰۱ء میں پہلی مرتبہ اس کمپنی کے تجارتی جہاز ہندوستان کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے، ۱۶۱۲ء میں جہانگیر کے عہد حکومت میں ان انگریز تاجروں نے شہنشاہ کی اجازت سے گجرات کے شہر سورت میں اپنا اقتصادی مرکز بنالیا اور بہت جلد اس کی شاخیں احمد آباد، اجمیر، برہان پور اور آگرہ میں قائم کر دیں، یہ شہر اس زمانے میں تجارت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے تھے، اور بڑے تجارتی مراکز میں شمار کئے جاتے تھے، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت تک انگریزوں کی سرگرمیاں صرف تجارت تک محدود رہیں، اورنگ زیب کے انتقال کے بعد مغلیہ حکومت کا شیرازہ منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ احمد شاہ کے دورِ حکومت (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۲ء) میں یہ ملک طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا، بہت سے صوبوں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا، ایسٹ انڈیا کمپنی جو اب تک صرف ایک تجارتی کمپنی تھی ملک گیری کی ہوس میں مبتلا ہوگئی اور اس نے اپنی سیاسی قوت بڑھانی شروع کر دی یہاں تک کہ اس نے کلکتے میں اپنا ایک مضبوط فوجی قلعہ بھی تیار کر لیا۔

جنگ آزادی کا آغاز

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف مسلّح جدوجہد کا آغاز ۱۸۵۷ء سے ہوا، یہ ایک غلط بات ہے جو جان بوجھ کر عام کیا گیا ہے تاکہ ۱۸۵۷ء سے سو برس پہلے جس تحریک کا آغاز ہوا اور جس کے نتیجے میں بنگال کے سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں، مجنوں شاہ نے ۱۷۷۶ء اور ۱۷۸۰ء میں، حیدر علی نے ۱۷۶۷ء میں، اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے ۱۷۹۱ء میں، مولوی شریعت اللہ اور ان کے بیٹے دادو میاں نے ۱۸۱۲ء میں اور سید احمد شہیدؒ نے ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کے خلاف جو باقاعدہ جنگیں لڑیں وہ سب تاریخ کے غبار میں دب جائیں، اور اہل وطن یہ نہ جان سکیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت کی چنگاری اس دن سے سلگ رہی تھی جس دن انہوں نے اپنے ناپاک قدم اس سرزمین پر رکھے تھے اور تجارت کے نام پر سیاسی اور فوجی اثر ورسوخ حاصل کر کے یہاں کے حکمرانوں کو بے دست وپا کر دیا تھا، سو سال تک مسلمان پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اپنے علماء کی قیادت میں ان سے نبرد آزما رہے، یہاں تک کہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو تحریک آزادی کی جدوجہد کا دوسرا دور شروع ہوا اور غیر مسلم اہل وطن نے بھی جدوجہد آزادی میں اپنی شرکت درج کرائی۔

سراج الدولہ

سراج الدولہ پہلا شخص ہے جس نے انگریز کے خطرے کو محسوس کیا اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی کوشش کے طور پر پلاسی کے میدان میں ان سے جنگ کی، اگر سراج الدولہ کا وزیر میر جعفر غداری نہ کرتا تو انگریز دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے، اس غدار وطن کی وجہ سے سراج الدولہ کو شکست ہوئی، انعام کے طور پر میر جعفر کو بنگال کا اقتدار ملا، لیکن اس کا اقتدار زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا، کچھ دنوں بعد وہ معزول کر دیا گیا، اس کا داماد میر قاسم برسرِ اقتدار آیا، انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ بھی دیر تک اقتدار پر قابض نہ رہ سکا یہاں تک کہ انگریز ۱۷۶۴ء میں بہار اور بنگال پر قابض ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اودھ تک پھیل گئے۔

(علماء کے خون سے رنگین داستان آزادی، مولانا ندیم الواجدی)

جنگِ آزادی میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا کردار

دکن فرمانروا حیدر علی اور ان کے صاحبزادہ ٹیپو سلطان کے ذکر کے بغیر جنگ آزادی کی تاریخ ادھوری ہوگی، جو مستقل انگریزوں کے لیے چیلنج بنے رہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت اور غیور فرمانروا فتح علی خان ٹیپو سلطان (۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ء) تھا، جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کر لی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمہ تر بن جائے گا؛ چنانچہ انھوں نے انگریزوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے پورے ساز و سامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں آ گئے"۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے چار جنگیں کیں، ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں حکمراں ہوئے، ۱۷۸۳ء میں انگریزوں سے ٹیپو کی پہلی جنگ ہوئی اور انگریزوں کو شکست ہوئی، یہ جنگ ۱۷۸۴ء میں ختم ہوئی، یہ میسور کی دوسری جنگ کہلاتی ہے، انگریز اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھے؛ چنانچہ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے اپنی شکست کا انتقام لیتے ہوئے حملہ کیا؛ مگر اپنے بعض وزراء و افسران خصوصا میر صادق کی بے وفائی اور اپنی ہی فوج کی غداری اور اچانک حملہ کی وجہ سے ٹیپو معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔

ٹیپو سلطان کی جد و جہد اور اولو العزمی

ٹیپو نے ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس مقصد سے انھوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی، دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء اور نوابوں سے خط و کتابت کی اور زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے، قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہو جائیں؛ مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہو کر سرخروئی حاصل کی، انھوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم و کرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے"، جب جنرل HORSE کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی نعش پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ: آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔" (ہندوستانی مسلمان: ۱۳۷)

جنگ آزادی میں شاہ ولی اللہ اور انکے شاگردوں کا کردار

یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کے علاوہ ایران و افغانستان سے تعلق رکھنے والے دوسرے حکمراں بھی ہندوستان کو اپنے زیر نگیں کرنے کے لیے حملہ آور ہوئے ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے دہلی کو تباہ و برباد کیا، اور ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے دو ماہ تک مسلسل اس

شہر کو یرغمال بنائے رکھا، دوسری طرف انگریز فوجیں مرہٹوں سے ٹکراتی ہوئیں، سراج الدولہ کو شکست دیتی ہوئیں اور سلطان ٹیپو کو جامِ شہادت پلاتی ہوئیں دہلی کی طرف بڑھ رہی تھیں، ابھی انگریزوں نے پوری طرح دہلی کا اقتدار حاصل بھی نہیں کیا تھا کہ علماء ہند کے میر کارواں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) نے مستقبل کے خطرات کا ادراک کرلیا، اور دہلی پر قبضے سے پچاس برس پہلے ہی اپنی جدوجہد کا آغاز کردیا، اس کی پاداش میں آپ پر جان لیوا حملے بھی کئے گئے لیکن آپ اپنے نظریے پر ڈٹے رہے، انہوں نے اپنی کتابوں میں، خطوط میں، تقریروں میں اپنا نظریہ اس طرح پیش کیا، "تباہ حال شہر جس پر درندہ صفت انسانوں کا تسلط ہو جن کو اپنی حفاظت ودفاع کی پوری طاقت حاصل ہو، یہ ظالم وجابر گروہ جو انسانیت کے لیے سرطان ہے، انسان اس وقت تک صحت مند نہیں ہوسکتا جب تک اس سرطان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک نہ دیا جائے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: الجہاد: ۱۱۵۷)

افسوس حضرت شاہ صاحبؒ ۱۷۶۵ء میں وفات پاگئے اور ان کا خواب تشنۂ تعبیر رہ گیا تاہم وہ اپنی کتابوں کے ذریعے اور اپنے فکر وعمل کے ذریعے ایک نصب العین متعین کرچکے تھے، انقلاب کا پورا لائحہ عمل تیار کرچکے تھے اور انقلاب کے بعد ممکنہ حکومت کے لیے مذہبی، اقتصادی، اور سیاسی اصولوں کی روشنی میں ایک مکمل نظام وضع کرچکے تھے، ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ ان کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھانے کے لیے کچھ لوگ میدانِ عمل میں آئیں، چناں چہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حوصلہ دکھایا، حالاں کہ وہ اس وقت محض سترہ سال کے تھے مگر اپنے والد بزرگوار کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے انہوں نے عزم واستقلال سے کام لیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریۂ انقلاب کو مخصوص لوگوں کے دلوں سے نکال کر عام انسانوں کے دلوں میں اس طرح پیوست کردیا کہ ہر زبان پر جہاد اور انقلاب کے نعرے مچلنے لگے۔

انقلاب کی اس صدائے بازگشت کو دہلی سے باہر دور دور تک پہنچانے میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تینوں بھائیوں حضرت شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ کے علاوہ جن لوگوں نے پورے خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ اپنا بھرپور تعاون پیش کیا ان میں حضرت شاہ عبدالحیؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے اسمائے گرامی بہ طور خاص قابل ذکر ہیں، تربیت گاہ عزیزی سے نکل کر مسلح جدوجہد کو نصب العین بنانے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی، اور ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں اس انقلاب کی دستک نہ سنی گئی ہو اور جہاں اس آواز پر لبیک کہنے والے موجود نہ ہوں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس تحریک کو دل وجان سے پروان چڑھایا مگر طرح طرح کی مشکلات اور مصائب بھی برداشت کئے، آپ کی جائداد بھی ضبط کی گئی، آپ کو شہر بدر بھی کیا گیا، آپ پر قاتلانہ حملے بھی کئے گئے، دو مرتبہ زہر دیا گیا، اور ایک مرتبہ ابٹن میں چھپکلی ملا کر پورے بدن پر مالش بھی کی گئی، جس سے بینائی بھی جاتی رہی اور بے شمار امراض بھی پیدا ہوئے، ان تمام مصائب کے باوجود ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش محسوس نہیں کی گئی۔

جنگ آزادی کا فتویٰ

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے شاہ عالم بادشاہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور دہلی پر قابض ہوگیا، اس قبضے کے لیے جو سہ نکاتی فارمولہ اپنایا گیا وہ یہ تھا ”خلقت خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا“ یہ فارمولہ اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ بادشاہت کے خاتمے سے عوام میں بددلی اور مایوسی پیدا نہ ہو اور وہ بغاوت پر آمادہ نہ ہوجائیں، اس لیے بادشاہ کے تخت وتاج کو تو باقی رکھا گیا مگر اس کے تمام اختیارات سلب کر لئے گئے، قناعت پسند طبیعتوں کے لیے یہ فارمولہ بھی تسلی بخش تھا، مگر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان جیسا فکر رکھنے والے لوگ اس تعبیر میں مضمر فریب اور خطرے کو محسوس کر رہے تھے، یہ وہ مرحلہ تھا جب آپ نے انگریزی اقتدار کے خلاف نہایت جرأت مندانہ فتوی جاری کیا، جس کے فارسی متن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے: ”یہاں رؤساء نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور اُن کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات رعیت خراج، باج، عشر و مال گزاری، اموالِ تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کا تصفیہ، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوج داری معاملات، کسٹم اور ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کو اُن کے بارے میں کوئی دخل نہیں، بے شک نماز جمعہ، عیدین اذان وغیرہ جیسے اسلام کے چند احکام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے (یعنی ضمیر اور رائے کی آزادی اور شہری آزادی) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے، چناں چہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہوچکی ہے، انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو اُن کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اُس کے اطراف وجوانب میں نہیں آسکتا، عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے، اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہوسکتے، دہلی سے کلکتہ تک انہیں کی عمل داری ہے، بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ، رام پور میں چوں کہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے، براہِ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے“۔ (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا)

(فتاویٰ عزیزی فارسی جلد اول ص ۱۷ مطبوعہ مطبع مجتبائی بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم صفحہ ۴۴۸۔۴۴۹)

یہ اولین فتوی ہے جو انگریزوں کے خلاف دیا گیا اور جس میں دارالحرب کا مخصوص اصطلاحی لفظ استعمال کیا گیا، جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ ہر محب وطن مسلمان شہری پر فرض ہے کہ وہ ان اجنبی حکمرانوں کے خلاف اعلان جنگ کرے اور اس وقت تک سکون سے نہ بیٹھے جب تک قابضین کا ایک ایک فرد ملک کی سرحد سے باہر نہ ہوجائے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اس فتوے کا اثر یہ ہوا کہ خواص تو خواص عوام بھی انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۲/ ۱۰۴)

تحریک بالاکوٹ

یہ اسی فتوے کا اثر تھا کہ آپ کی تحریک حریت کے ایک جانباز سپاہی حضرت سید احمد شہیدؒ نے گوالیار کے مہاراجہ کو لکھا کہ یہ ''بیگانگان، بعید الوطن وتاجران متاع فروش'' آج بادشاہ بن بیٹھے ہیں، سمندر پار اجنبیوں اور سامان بیچنے والوں کا زمام اقتدار سنبھالنا واقعی عار کی بات تھی اور حضرت سید احمد شہیدؒ اس حوالے سے گوالیار کے مہاراجہ کو انگریزوں کے خلاف آمادۂ جنگ کرنا چاہتے تھے، ان خطوط کے علاوہ حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے پیر ومرشد رہنما وقائد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حکم پر امیر علی خاں سنبھلی کے پاس بھی تشریف لے گئے جو اس وقت جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مل کر انگریزی فوجوں پر شب خوں مار رہا تھا، ۱۸۱۵ء تک یہ اشتراک کامیابی کے ساتھ جاری رہا، لیکن انگریزوں نے امیر علی خاں کو نواب کا خطاب اور محفوظ ریاست کا لالچ دے کر ہتھیار رکھنے پر مجبور کردیا، اس صورت حال سے آزردہ خاطر ہوکر حضرت سید احمد شہیدؒ دہلی واپس ہوگئے، اس طرح ۱۸۱۸ء تک تمام چھوٹے بڑے علاقے اور ریاستیں انگریزوں کے زیر اقتدار آ گئیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے ضعف، امراض اور پیرانہ سالی کے باوجود وطن کی آزادی کے لیے اپنی جدوجہد کا سفر جاری رکھا، انگریزوں کو اقتدار سے دور رکھنے میں ناکامی کے باوجود وہ مایوس نہیں ہوئے، اور نہ اپنے مقصد سے پیچھے ہٹے بلکہ انہوں نے بدلے ہوئے حالات میں ایک نیا لائحہ عمل مرتب کیا جس کے تحت دو کمیٹیاں بنائی گئیں، ایک کمیٹی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھی، اس میں شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلویؒ، مفتی رشید الدین دہلویؒ، مفتی صدر الدین آزردہؒ، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ جیسے اولوالعزم حضرات شامل تھے، اس کمیٹی کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ جہاد کے اصل مرکز کو اس کے اصل کردار کے ساتھ باقی رکھے، تاکہ اس کے ذریعے ایک ایسی نسل کی آب یاری کا سلسلہ جاری رہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طے کردہ خطوط کے مطابق منبر ومحراب کی زینت بننے کی اہل بھی ہو اور محاذ جنگ پر دشمنوں سے طاقت آزمائی کی صلاحیت بھی رکھتی ہو، دوسری کمیٹی کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ کے سپرد کی گئی اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ کو اُن کا خصوصی مشیر متعین کیا گیا، اس کمیٹی کے ذمّے یہ کام تھا کہ اس کے اراکین ملک بھر میں گھوم پھر کر عوام بالخصوص علماء کے دلوں میں انقلاب کا جذبہ پیدا کریں، رضا کار بھرتی کریں، اور انہیں محاذ جنگ پر لڑنے کی ٹریننگ دیں، مالیہ فراہم کریں، غیر ممالک کے ساتھ خاص طور پر مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کریں، اور جہاں بھی موقع ہو جنگ لڑیں، چناں چہ ۱۸۲۴ء میں حضرت شاہ احمد شہیدؒ نے پورے طور پر خود کو جہاد کے لیے وقف کردیا۔ (تاریخ دیوبند:۱۹۱)

اس مقصد کے لیے حضرت سید احمد شہیدؒ نے سات ہزار میل کا ایک طویل انقلابی دورہ کیا جس کے دوران وہ ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے، اس سفر کا بڑا مقصد یہ تھا کہ عوام کو انگریزوں کے خلاف متحد کیا جائے، ۲۱/ستمبر ۱۸۲۶ء کو حضرت سید احمد شہیدؒ نے فوجی کاروائی کا آغاز کیا اور کئی باضابطہ جنگیں لڑیں، ان جنگوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے

رفقاء نے خوب داد شجاعت دی، ۱۰/ جنوری ۱۸۲۷ء کو عارضی حکومت بھی قائم ہوئی، لیکن ایک طرف مجاہدین کی بے سروسامانی دوسری طرف سکھوں اور انگریزوں کی جدید ترین اسلحہ سے لیس مشترک فوج، بے شمار چھوٹی بڑی جنگوں کے بعد ۱۸۳۱ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی، آپ نے اور آپ کے قریب ترین رفیق حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دوسرے بے شمار ساتھیوں نے بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت نوش کیا۔(تاریخ ہند: ۳۹۸، سیرت سید احمد شہیدؒ ج ۲ ص ۴۱۴)

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اگرچہ وطن کی آزادی کے لیے تھی، مگر اس پر مذہبی رنگ غالب تھا تاکہ عوام میں مذہبی جذبات بیدار ہوں، یہ محض تحریک آزادی ہی نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے اعمال اور اعتقاد کی اصلاح بھی مقصود تھی، اس تحریک سے وابستہ ہر شخص فوجی جرنیل بھی تھا، اور احیاء سنت کا علم بردار بھی اس تحریک کی یہ دولت ہندوستان کے مسلمانوں کے جسم وجاں میں مذہب کی روح پوری طرح تحلیل ہو چکی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۵۷ء میں انقلاب کی تحریک دوبارہ شروع ہوئی تو انگریزی فوج میں شامل مسلمانوں کو مذہب کے حوالے ہی سے بغاوت پر اُکسایا گیا، انہیں بتلایا گیا کہ جس کارتوس کو استعمال کے وقت منہ سے کھینچنا پڑتا ہے اس میں سُور کی چربی ملی ہوئی ہے، یہ سن کر مسلمان فوجی بھڑک گئے اور اس طرح میرٹھ سے تحریک آزادی کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد یہ تحریک ختم نہیں ہوئی، بلکہ وہ جذبہ جو اس تحریک کے ذریعے عوام وخواص کے دلوں میں پروان چڑھا تھا اسی طرح تروتازہ رہا، ابتدا میں یہ ایک چنگاری تھی جو آہستہ آہستہ ایک شعلہ بن گئی، انگریز اس تحریک کو جسے انہوں نے وہابی تحریک کا نام دیا تھا کچلنے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل رہے۔ ۱۸۴۸ء میں انگریزوں کے ساتھ اس تحریک سے وابستہ افراد نے پنجاب کے متعدد شہروں میں بے شمار جنگیں لڑیں، بہت سے لوگوں نے جام شہادت نوش کیا، بے شمار مجاہدین گرفتار کئے گئے ان پر مقدمات چلے اور انہیں بغاوت کے الزام میں سرِ دار چڑھایا گیا۔

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں شاملی ضلع مظفر نگر کے میدان میں علماء دیوبند نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ کی، جس کے امیر حاجی امداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ مقرر ہوئے، اور اس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، اور مولانا منیر نانوتوی رحمہم اللہ کر رہے تھے، اس جنگ میں حافظ ضامن رحمہ اللہ شہید ہوئے، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ انگریزوں کی گولی لگ کر زخمی ہوئے، انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کے نام وارنٹ جاری ہوا؛ لیکن گرفتار نہ ہو سکے، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو گرفتار کیا گیا اور سہارنپور کے قید خانہ میں رکھا گیا، پھر کچھ دن کال کوٹھری میں رکھ کر مظفر نگر کے قید خانہ میں منتقل کیا گیا، چھ ماہ تک آپ کو قید وبند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں بظاہر شکست ہوئی، مگر یہ شکست نہیں، فتح تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں

نے اسلام پر حملہ کیا اسلامی عقائد، اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کو ہندوستان سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں سے انگریزوں کا زوال شروع ہوا، حکومت برطانیہ کا لارڈ میکالے جب وائسرائے بن کر آیا تو اس نے مغربی تہذیب اور مغربی فکر، نصرانی عقائد قائم کرنے کا ایک پروگرام بنایا، اس نے کہا: "میں ایک ایسا نظام تعلیم وضع کر جاوں گا جس سے ہندوستانی مسلمان کا جسم تو کالا ہوگا مگر دماغ گورا یعنی انگریز کی طرح سوچے گا"۔

۱۸۵۷/ کی جنگ آزادی میں علماء کرام نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا، اس جنگ کے لیے علماء کرام نے عوام کو جہاد کی ترغیب دلانے کے لئے ملک کے طول وعرض میں وعظ وتقریر کا بازار گرم کردیا اور جہاد پر ابھارنے کا فریضہ انجام دیا نیز ایک متفقہ فتویٰ جاری کرکے انگریزوں سے جہاد کو فرض عین قرار دیا، اس فتویٰ نے جلتے پر تیل کا کام کیا اور پورے ملک میں آزادی کی آگ بھڑک اٹھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر ناکام رہی اور آزادی کے متوالوں پر ہولناک مظالم کے پہاڑ توڑ ڈالے گئے، ان میں مسلمان اور بطور خاص علماء، انگریزوں کی مشق ستم کا نشانہ بنے، اس لئے کہ انھوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور علماء کرام نے ان کے خلاف فتویٰ دے کر جہاد کا اعلان عام کردیا تھا، چنانچہ ۱۸۵۷ سے چودہ برس پہلے ہی گورنر جنرل ہند نے یہ کہہ دیا تھا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے مخالف ہیں اس جنگ میں دولاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء کرام تھے، انگریز علماء کے اتنے دشمن تھے کہ ڈاڑھی اور لمبے کرتے والوں کو دیکھتے ہی پھانسیاں دے دیتے تھے، ایڈورڈ ٹامسن نے شہادت دی ہے کہ صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی دی گئی (ریشمی رومال ص:۴۵) پوری دہلی کو مقتل میں تبدیل کردیا گیا تھا مرزا غالب کی زبان میں۔

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر نمونہ بنا ہے زنداں کا
شہر دلی کا ذرّہ ذرّہ خاک
تشنۂ خوں ہے ہر مسلمان کا

دہلی، کلکتہ، لاہور، بمبئی، پٹنہ، انبالہ، الہ آباد، لکھنؤ، سہارنپور، شاملی اور ملک کے چپے چپے میں مسلمان اور دیگر مظلوم ہندوستانیوں کی لاشیں نظر آرہی تھیں علماء کرام کو زندہ خنزیر کی کھالوں میں سی دیا جاتا پھر نذر آتش کردیا جاتا تھا کبھی ان کے بدن پر خنزیر کی چربی مل دی جاتی پھر زندہ جلادیا جاتا تھا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء)

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام اور اس میں مسلمانوں کا حصہ

۱۸۸۴ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بعض ممتاز اہل علم و اہل فکر مسلمان بھی شریک تھے، اور اس کا قیام ۱۸۸۵ء میں عمل میں آیا، اس کے بانیوں میں مسلمان بھی شامل تھے، جن کے نام بدرالدین طیب جی اور رحمت اللہ سیانی تھے، کانگریس کا چوتھا اجلاس ۱۸۸۷ء میں مدراس میں ہوا، جس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی۔

تحریک ریشمی رومال

۱۹۱۲ء میں ریشمی رومال تحریک کی ابتداء ہوئی، جس کے بانی فرزندِ اول دارالعلوم دیوبند تھے، جن کو دنیا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ: ”آپ (شیخ الہند) انگریزی حکومت اور اقتدار کے سخت ترین مخالف تھے، سلطان ٹیپو کے بعد انگریزوں کا ایسا دشمن اور مخالف دیکھنے میں نہیں آیا“۔

اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے ادا کیا، افغانستان کی حکومت کو مدد کے لیے تیار کرنا اور انگریزوں کے خلاف رائے عامہ بنانا مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کا مشن تھا، شیخ الہند رحمہ اللہ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر سرگرم اور فعال تھے، افغانستان، اور حجاز کے اندر قاصد کا کام کررہے تھے، خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے مثلاً انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، اور ترکی جانے کا شیخ الہند نے خود عزم مصمم کرلیا تھا، اس مقصد کے لیے پہلے وہ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً دوسال قیام رہا، اس اثنا میں دو حج کیے، مکہ مکرمہ پہنچ کر حجاز میں مقیم ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں، اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے بھی ملاقات کی، جو ان دنوں مدینہ آئے ہوئے تھے، انھیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا، ان دونوں نے شیخ الہند رحمہ اللہ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا، مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے کابل سے ریشمی رومال پر جو راز دارانہ خطوط شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان کو حکومت برطانیہ کے لوگوں نے پکڑ لیا، یہی شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کا سبب بنی اور پورے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں شریف حسین کی حکومت نے ان کو مدینہ منورہ میں گرفتار کرکے انگریزی حکومت کے حوالہ کردیا، شریف حسین نے خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت اور غداری کی تھی، وہ برطانوی حکومت کا وفادار دوست تھا اور خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کی تحریک آزادی کا شدید مخالف تھا۔ ۱۹۱۷ء میں شیخ الہند رحمہ اللہ اور ساتھوں کو بحیرہ روم میں واقع جزیرہ مالٹا جلاوطن کیا گیا، مولانا حسین احمد مدنی رحمہااللہ، مولانا عزیز گل پیشاوری رحمہ اللہ، مولانا حکیم نصرت حسین رحمہ

اللہ، مولانا وحید احمد رحمہ اللہ وغیرہم نے مدتوں اپنے استاذ شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں سختیاں برداشت کیں، مالٹا کے قید خانہ میں انگریزوں نے شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا، جس کا بنیادی مقصد وطن کی آزادی تھا، شیخ الہند رحمہ اللہ کی رہائی کے بعد سب سے پہلے ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو ترکِ موالات کا فتوی شائع کیا گیا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے جاں نثار شاگرد مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے آپ کے اس مشن کو جاری رکھا، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ۱۹۴۰ء سے تادم آخیر جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے، کئی بار برطانوی عدالتوں میں پھانسی کی سزا سے بچے، آپ انگریزوں کی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آزادی کے بعد اصلاحی کاموں میں مصروف ہوگئے، دینی خدمت وتزکیہ نفوس کے مقدس مشن میں لگے رہے۔

تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد

۱۹۱۹ء میں جلیاں والا باغ سانحہ ہوا جس میں کئی افراد ہلاک ہوئے، انھیں ایام میں تحریکِ خلافت وجود میں آئی، جس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے، اس تحریک سے ہندو مسلم اتحاد عمل میں آیا، گاندھی جی، علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) اور مسلم رہنماؤں کے ساتھ ملک گیر دورہ کیا، اس تحریک نے عوام اور مسلم علماء کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا، الغرض ہندوستان کے اکابر علماء نے سالہا سال کے اختلافات کو نظر انداز کر کے تحریکِ خلافت میں شانہ بشانہ کام کیا۔

تحریکِ ترک موالات

۱۹۲۰ء میں گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور نان کوآپریشن (ترک موالات) کی تجویز پیش کی، یہ بہت کارگر ہتھیار تھا، جو اس جنگ آزادی اور قومی جدوجہد میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہوجائے اور عام بغاوت پھیل جائے، آثار انگریزی حکومت کے خاتمہ کی کی پیشینگوئی کر رہے تھے۔ (ہندوستانی مسلمان: ۱۵۷)

آزادی

۱۹۲۰ء میں موپلا بغاوت، ۱۹۲۲ء میں پولیس فائرنگ، ۱۹۳۰ء میں تحریک سول نافرمانی ونمک آندولن، ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک (Quit India Movement)، ۱۹۴۶ء میں ممبئی میں بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پولیس فائرنگ کے دوران ہزاروں لوگ شہید ہوئے، انگریزوں کی قید وبند کے مصائب جھیلنے اور انکی گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد تو شمار سے باہر ہے، ہندو مسلم سب نے مل کر آخری موقع پر انگریزوں کو بھگانے میں کوشش کی، مسلمان تو ایک زمانے سے اس جنگ میں شامل تھے، آج ان کو فراموش کیا جارہا ہے، بہرحال ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو یہ ملک انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہوا، ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی۔

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا
جب بہار آئی تو کہتے ہیں ترا کام نہیں

مگر یہ بھی بڑا قومی المیہ ہے کہ ۱۵/ اگست اور ۲۶ جنوری کے تاریخ ساز اور یادگار قومی دن کے مبارک ومسعود موقع پر جب مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو یاد کیا جاتا ہے، ان کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، تو ان علماء کرام اور مجاہدین حریت کو یکسر نظر انداز کردیا جاتا ہے جنھوں نے ملک کی آزادی کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مالٹا اور کالا پانی میں ہر طرح کی اذیتیں جھیلیں اور جان نثاری وسرفروشی کی ایسی مثال قائم کیں جن کی نظیر نہیں ملتی اور ملک کا چپہ چپہ ان کی قربانیوں کا چشم دید گواہ ہے۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ وبالا

یوم آزادی کی تیاریاں نہایت اہتمام سے کی جارہی ہیں، ایسے موقعوں پر عوام میں بھی خاصا جوش وخروش دیکھنے کو ملتا ہے، لیکن ہماری طبیعت ہے کہ اس وقت بھی غمگین ہے اور ہمارے قلب وجگر پر ایک افسردگی چھائی ہوئی ہے، ہم سمجھ ہی نہیں پارہے ہیں کہ اس

موقع پر جمہوری قانون کے نفاذ کی خوشیاں منائیں یا پھر اس قانون کی ہمارے ملک میں جو دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، اس پر ماتم کریں! آئین کی اہمیت سے انکار نہیں، وہ تو تمام ملکی قانون کا منبع ہے، ہمارے کرب کی وجہ تو یہ ہے کہ جس آئین کی رو سے مذہب وملت، ذات پات، علاقہ اور رنگ ونسل کی بنیاد پر کوئی تفریق کیے بغیر ملک میں رہنے والے تمام شہریوں کو یکساں حقوق فراہم کیے جاتے ہیں، آج ہم ان آئین کی پرواہ کیوں نہیں کرتے؟ کیوں ہم اس آئین کے یوم نفاذ کی رسمی سی خوشیاں منانے کی تگ ودو میں تو لگے رہتے ہیں، لیکن ہر دم اس آئین کی اہانت یا استہزا اور تمسخر بنائے جانے کی فکر نہیں کرتے؟ مثال میں طلاق ثلاثہ بلوغیرہ کا ذکر کر دینا کافی ہے۔

آج اس وقت ملک کے حالات نہایت خراب، ہمہ تن داغ داغ شد کے مصداق ملک کے زخموں کو کے کس پہلو کو بیان کیا جائے؟ آئے دن ہندوستان جیسے عظیم جمہوری ملک کو ہندو راشٹر میں بدلنے کی کوششیں تیز تر ہوتی جارہی ہیں، کچھ ملک دشمن عناصر ہندوستان کی اقلیتوں کے خلاف نہ صرف عرصۂ حیات تنگ کرنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں؛ بلکہ انہوں نے چن چن کر مسلمانوں کو اس ملک میں یکا وتنہا کرنے اور انہیں پچھڑا ہوا، نکما، ناکارہ؛ بلکہ ان کو ناپید کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، بھیڑ کے ذریعہ قتل کے معاملے تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔

وہ عظیم آزادی جو ہمارے اسلاف نے حاصل کی تھی اس کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمين

بزم خطباء ٹیلیگرام چینل میں شامل ہونے کے لیے ٹیلیگرام کے تلاش کے خانہ میں لکھیں

@bazmekhateeb

اور شامل ہوجائیں

نوٹ: اس مواد کو تیار کرنے میں مختلف اہل علم کے مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے اور اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔